رسول اسلامؐ کے اہم غزوات اور ان کے اسباب

علامہ سید محمد صادق مرحوم

اس تابناک حقیقت کا روشن چہرہ بے نقاب ہوکر نگاہ بصیرت کے سامنے آچکا ہے کہ اسلام کی نشر و تبلیغ اس کے مقدس احکام کی ترویج اس کے پاکیزہ مقاصد کی اشاعت اور دنیا کے سامنے اس کے بشریت کی شب تار کو جگمگا دینے والی ٹھوس حکیمانہ تعلیمات کے پیش کرنے کا مقصد بنی نوع انسان کو انسانیت کے دلپذیر تقاضوں اور وقیع قدروں سے روشناس بنانے کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ بعد میں آنے والی نسلوں کو اس پاک مقصد کے سمجھنے میں جو سانحات درپیش ہوئے ان کا بنیادی سبب بانی اسلام کے طرز عمل اور ان کا اس سلسلہ میں اٹھنے والا کوئی حکیمانہ قدم نہیں بلکہ مستقبل میں اذیت نواز اسلامی گروہوں کا اسلام کے پیش کردہ حقائق کی جانب سے روگرداں ہوکر روحانیت کی جانب سے یکسر آنکھوں کا بند کرلینا اور مادیت کی طرف متوجہ ہوجانا تھا۔

تاریخ کی نگاہوں نے بلاشبہ وہ وقت دیکھا جب اصحاب صفہ کی سادگی کے روشن نقوش رفتہ رفتہ اتنے دھندلے ہوگئے کہ قریب سے بھی دیکھنے کے بعد ان کا پہچاننا دشوار ہوگیا اور آپ کے بجائے روم و فارس کے خسروی نظام کے نقوش نے ابھر کر اسلامی روحانیت کے مقدس چہرہ کو داغدار بنادیا۔

اسلام کے روحانی کلام کا تدریجی اضمحلال اور اس کے معین کردہ حدود سے مسلمانوں کے باہر نکل جانے کا ہی یہ لازمی نتیجہ تھا کہ دنیا کو اسلام کے خلاف یہ نعرہ بلند کرنے کا موقع ملا کہ اسلامی کامیابیوں کا بنیادی راز اس کی شمشیر زنی مکہ کی حدوں سے باہر نکال کر اسلام کو شرق و غرب عالم تک پہنچانا یہ اسلام کی آفاقی تعلیمات کا کام نہیں بلکہ ان خونخوار تلواروں کا کام تھا جو سلطنت اسلامی کی توسیع کے جذبہ کے تحت نیاموں سے باہر نکلی تھیں۔ اگر یہ تلواریں نہ ہوتیں تو اسلام کبھی اتنا پھلنے اور پھولنے کا موقع حاصل نہ کرپاتا۔ لیکن کیا ایسا کہنا اور سمجھنا صحیح ہوسکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ جب عالم کا افق تاریک تھا اور ضلالت کی گھٹا ٹوپ ظلمتیں افق کائنات پر چھائی ہوئی تھیں۔ کفر و زندقہ کی تیز و تند آندھیاں معاشرت انسانی کی فضاؤں کو لرزہ براندام بنائے ہوئے تھیں۔ لامذہبیت کا کہرہ ہر

طرف پھیلا ہوا تھا۔ اخلاقی اقدار کی نبضیں ڈوب چکی تھیں دنیا کے سامنے کفر والحاد کے بھیانک خط و خال کے علاوہ اور کوئی منظر باقی نہیں رہا تھا۔ اور روحانیت کے مرد بیمار کی تیمارداری کرنے والا گرد و پیش کوئی انسان نظر نہیں آرہا تھا اس وقت جزیرۃ العرب کے دل مکہ سے توحید کا نغمہ بلند ہوا۔ کوہِ فاران کی چوٹی پر نبوت کے اس آفتاب کی شعاعیں جو ساری کائنات کو ابدالاباد تک نور کی دولت سے مالا مال بنانے کی ذمہ داری لے کر آیا تھا۔ دنیا کی اکثر و بیشتر چیزیں اختلافات کی اماجگاہ رہی ہیں اور آئندہ رہ سکتی ہیں لیکن اس حقیقت سے کوئی انصاف پسند انسان انکار نہیں کرسکتا کہ اسلام کی روحانی دعوت کی پشت پر بشریت کو ضلالت و گمراہی کے گہرے گڑھے سے نکال کر ملوکیت کے اوج وارتقا تک پہنچانے کے علاوہ اور کوئی جذبہ کارفرما نہیں تھا۔ واضح حقیقت ہے کہ جس نے اغیار تک انکار کرنے کی ہمت نہیں کرسکتے کہ اسلام کے پاک مقاصد کے لئے اس وقت کا پرعصبیت ماحول انتہائی نا مناسب تھا۔ معاشرہ کے خط و خال اتنے بگڑ چکے تھے جن کی درستی کے لئے سکون و اطمینان کے طویل لمحات درکار تھے لیکن نور نگاہ آکثر بنت وہب پروردہ آغوش عبداللہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ اپنے سامنے ان کے برخلاف فتنوں اور ہنگاموں کے ان سربفلک پہاڑوں کو دیکھ رہے تھے جن سے ٹکر لینے کی ہمت کرنا معمولی حوصلہ دل کا کام نہیں تھا۔ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو دعوت اسلامی کی راہ میں کفروشرک کے بچھائے ہوئے کانٹوں کی چبھتی ہوئی نوکیں دوسرے قدم سعی کو یقیناً آگے بڑھنے سے روک دیتیں اور محاصرہ شعب جیسے صبر آزما حالات اس کے گریبان عزم کی دھجیاں اڑا دیتے مگر اسلام کے مالی کا فولادی دیوار سے زیادہ مضبوط و مستحکم حوصلہ الحاد وشرک کی سنگین چٹانوں سے ٹکرانے کے بعد سست و مضمحل نہیں ہوا اور آزمائشوں کے اٹھتے ہوئے پرشور طوفان اس کی کشتی ہمت کو آگے بڑھنے سے ذرا بھی نہ روک سکے۔

یقیناً ظلم ہوگا کہ اگر ہم ان ناقابل شک و شبہ حالات کے لازمی تقاضوں کو نظرانداز کرکے اپنی قوت فیصلہ کو تعطل کی حالت میں چھوڑ دیں بلاشبہ اگر فکر صحیح یہی ہدایت کرتی ہے کہ مخالفت کی خون آشام تلواروں کو بہرحال بے نیام ہونے کے بعد ان کے خاطر خواہ مقاصد کی انجام دہی کے لئے آزاد چھوڑ دینا بھی کوئی قرین عقل بات ہے تو بیشک اسلامی غزوات محل اعتراض قرار دیئے جاسکتے ہیں لیکن دنیا کا کوئی بافہم انسان اس کی تائید کے لئے تیار نہیں ہوسکتا ہے۔ اگر انسانی جسم کا کوئی حصہ تکلیف سے متاثر ہوجائے اور اس کی بقا پورے جسم کے لئے خطرہ نظر آرہی ہو تو اس کا قطع کردینا ہی

بہتر بات سمجھی جاتی ہے کل کے تحفظ کے لئے بعض اجزاء کی قربانی کو ارباب عقل وشعور ہمیشہ اولیٰ و انسب خیال کرتے رہے ہیں۔ اسلامی غزوات کے بنیادی اسباب وعلل کی تلاش کرتے وقت اس کے فلسفہ جہاد کی بنیاد میں جو سب سے بڑا محرک جذبہ کارفرما نظر آتا ہے وہ یہی کہ معاشرہ انسانی کے پیکر کے مسموم حصوں کو بقیہ غیر مسموم حصوں سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا جائے۔ بانی اسلام نے جو لڑائیاں لڑیں نہ ان کا مقصد توسیع سلطنت تھا اور نہ حصول جاہ وجلال بلکہ درحقیقت وہ نتیجہ تھیں ان پیدا شدہ جدت کا جن کی موجودگی میں ہتھیاروں کا نہ اٹھانا دعوت اسلامی کو موت کی ابدی نیند کے حوالہ کر دینے کے علاوہ اور کوئی بات نہ ہوتی۔

اسلام کی سب سے پہلی اور سب سے اہم لڑائی بدر کی تھی جسے پیغمبرؐ اسلام نے از خود نہیں لڑا بلکہ انھیں لڑنے پر مجبور کر دیا گیا جغرافیہ کے لحاظ سے مدینہ ایک اہم بستی کی حیثیت رکھتا تھا اور اسے تجارتی نقطۂ نظر سے اس مکہ کا رقیب سمجھا جاتا تھا جو رسولؐ اسلام کے ابتدائی عہد میں مشرکین کی راجدھانی تھی اور مصنف تاریخ اسلام وائٹ آنریبل سید امیر علی صاحب کے بقول یہ حقیقت بالکل ناقابل انکار ہے کہ اہل مکہ اہل مدینہ کے خلاف اپنے دلوں میں سخت ترین غم وغصہ کے جذبات رکھتے تھے اور اہل مدینہ کے خلاف وہ اس بنا پر سخت برافروختہ تھے کہ انھوں نے پیغمبر اسلام اور ان کے معزز صحابہ کو جنھیں وہ باغی خیال کرتے تھے پناہ دی اور ان امور کی بنا پر اُن کے اور اہلِ مدینہ کے درمیان تلواروں کا کھنچنا اور لڑائی کی صورت کا رونما ہونا اٹل اور ناگزیر تھا۔ اس کے پہلو بہ پہلو مشرکین مکہ کا وہ ناروا طرز عمل بھی تھا جو انھوں نے مسلمانوں کے باب میں اختیار کر رکھا تھا۔ انھوں نے اُن لوگوں کو المناک شدائد اور تکالیف کا نشانہ بنایا جنھوں نے ان کی مرضی کے خلاف اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور انھیں الم انگیز اذیتیں پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور یہ حقیقت ہے کہ ان مسلمانوں کو جو مواقع کی بنا پر مدینہ کی طرف سفر کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ مشرکین قریش کی جانب سے ہر حساس دل کو تڑپا دینے والے مصائب کی آماجگاہ بنایا گیا صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مشرکین قریش نے اپنا یہ شیوہ قرار دے لیا تھا کہ وہ اسلام کے بارے میں اور بانی اسلام کے بارے میں من گھڑت باتیں اختراع کرتے اور غلط پروپیگنڈہ کر کے ماحول کو اس کے خلاف بنانے کی سرگرم کوششوں میں مشغول رہتے تھے۔ اس سلسلے میں یوں تو بہت کچھ ہوا لیکن نسبتاً اور واقعات سے زیادہ اہم اور قابل لحاظ یہ بات ہوئی کہ مشرکین قریش کے قافلہ نے بلاوجہ مہاجرین کے اونٹوں کو چھین لیا اور اپنی طاقت کے

مظاہرے کے طور پر اُن پر قبضہ کرنے کے بعد واپس کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ان واقعات کے پہلو بہ پہلو انھوں نے اپنے ان جذبہ بغض و عناد کی عکاسی کرنے والی حرکات کا مظاہرہ کرنے میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جن کی واضح ترین مثال خالد کا باپ ولید ابنِ مغیرہ سے جو حالت نزع میں انتہائی بے چینی اور کرب کے ساتھ رورو کر ابوجہل سے یہ کہہ رہا تھا کہ میری بیقراری کا بنیادی راز اسلام کی کامیابی کا تصور ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام اور اس کی دل پذیر تعلیمات کے لئے مشرکین قریش کے نامناسب طرزِ عمل نے موت و زندگی کا سوال کھڑا کر دیا تھا۔ خود سوچئے کہ متعدد بار رسول اسلام کے قتل کی خفیہ سازشوں کا پکڑا جانا۔ اُن کی شمع حیات کو گل کر دینے پر مخالفین کا باہمی عہد و پیمان کرنا کیا یہ چیزیں اس حقیقت پر تیز روشنی نہیں ڈالتیں کہ پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ کون ہے جسے حضرت یاسر، عمار اور ان کی ماں کے واقعات کا علم نہ ہو۔ ان کے ساتھ جو کچھ کیا گیا اس کا احساس کر کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ ان حالات میں لڑائی کا ہونا ناگزیر تھا اور اس کی جانب سے غفلت اختیار کرنا اپنی جانب موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ یقیناً رسول اسلام کی جماعت کم اور کمزور تھی اگر بانی اسلام بیدار مغزی سے کام نہ لیتے تو جس طرح مشرکین نے مہاجرین کے اونٹ اُن سے چھین لیے تھے اسی طرح ایک دن وہ بھی آ سکتا تھا جب وہ اہلِ یثرب کے سر پر آ دھمکتے اور اُن کے لئے مغلوب اور مفتوح ہونے کے علاوہ اور کوئی صورتحال باقی نہ رہتی ایسی حالت میں رسول اسلام کے لیے یقیناً عقلمندی کا یہی اشارہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ اس بات پر غور کریں کہ ان کے لئے کب اور کہاں دشمن کو روکنا اور ٹوکنا مناسب ہوگا اور اُن کے لیے کون سے ایسے موقع کی تلاش مناسب ہوگی جہاں وہ اپنے دشمنوں کو شکست دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اُن کی شرارتوں سے باز رہنے کا دیر تک یاد رہنے والا سبق دے سکیں۔ کیا بانی اسلام کے غزوات ناگزیر حالات کا نتیجہ تھے؟ حقیقت کو پایہ ثبوت تک یہ بات نہیں پہنچائی کہ ان کا کفار قریش کو ان کی شرارتوں سے باز رکھنے کے لئے جنگ کا تصور کرنا اس کا موقع اس وقت آیا جب دشمن کی جانب سے معاندانہ سرگرمیاں نقطۂ عروج تک پہنچ گئیں اور اس کی کوئی امید باقی نہیں رہی کہ جب تک وہ اپنی ناشائستہ حرکتوں سے باز نہ آ سکے گا۔ تمام تاریخیں اس بات پر متفق ہیں کہ بدر کے چشمے پر اسلام کی سب سے پہلی جو لڑائی وقوع پذیر ہوئی وہ دفاعی اور صرف دفاعی تھی۔ مدینہ میں بانی اسلام کے کانوں تک یہ خبریں پہنچیں کہ قریش کا قافلہ سفر شام سے واپس آ رہا ہے اس کے پاس کثیر مال و دولت بھی ہے وہ اسلام کے

خلاف نزاعی روش میں صرف کرسکتا ہے یا اس کے اسباب فراہم کرسکتا ہے۔ بالفرض اگر ایسی خبر غلط بھی ہوتی کہ مخالف حملہ کرنے کے بہانے ڈھونڈھ رہا ہے تب بھی احتیاط کا تقاضہ ہونا چاہئے تھا کہ رسول اسلام آمادہ رہتے اور یہ محسوس کرتے کہ ہمیں غافل رہ کر دشمن کو کامیابی کا کوئی موقع نہیں دینا چاہئے اور کوئی ایسی صورت اختیار نہیں کرنی چاہئے جس سے فائدہ اٹھا کر دشمن کو کامیاب حملہ کرنے میں مدد مل سکے۔ جنگ بدر کے لئے رسول اسلام کی تیاری اُن کی ہوشمندی کی دلیل تھی اور اس نے آسانی کے ساتھ ابوسفیان کو اچانک حملہ کرنے کا موقع فراہم ہونے سے محروم کردیا اور اُسے مکہ سے اپنے لئے امدادی فوج منگانا پڑی۔ سرزمین بدر پر دشمن کے فوجیوں کی تعداد جو کیل کانٹے سے لیس اور لڑنے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے، نو سو پچاس تھی جس کے مقابل میں رسول اسلام کے صرف تین سو چودہ سپاہی تھے جن کے پاس صرف تین گھوڑے چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں اور ستر اونٹ تھے۔ ایک ایک اونٹ پر دو دو تین تین شخص تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد سوار ہوتے تھے۔ رسول اسلامؐ کے اونٹ پر اُن کے شریک سواری جیسا کہ صاحب مناہج النبوت نے لکھا ہے حضرت علیؑ تھے۔ مشرکین قریش کے پاس نہ صرف یہ کہ سامان کی فراوانی تھی بلکہ انھوں نے ایسے طریقے بھی اختیار کر رکھے تھے جس سے ان کے مخالف کا دل مختلف قسم کے منفی تاثرات سے متاثر ہوسکے۔ ایک اور قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ مجاہدین اسلام کا جس جگہ پڑاؤ تھا وہاں پانی کی کمی تھی اور زمین اتنی نرم تھی جس میں آدمیوں اور اونٹوں کے پاؤں رانوں تک دھنس جاتے تھے۔ جبکہ دشمن کی فرودگاہ میں بہ افراط پانی کی موجودگی تھی مگر یہ اسلام کی حقانیت کی برکت تھی کہ ان تمام نامناسب حالات کے باوجود رسول اسلام کو فتح اور مشرکین کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ مؤلف تمدن اسلام نے جنگ بدر کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس جنگ میں سب سے زیادہ کام کرنے والی دو ہستیاں تھیں رسول اسلام کے چچا زاد بھائی علی ابن ابی طالب اور دوسری حمزہ ابن عبدالمطلب۔ ہاشمی دلیروں کی بے جگری اور شجاعت نے ان کے مخالفوں کے دل پر ایسی ہیبت طاری کی کہ اُن کے لئے فرار کے علاوہ اور کوئی چارہ کار باقی نہ رہا بدر کی پوری لڑائی واقعات کی چھان بین کرنے والے صاحب بصیرت انسانوں کو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کردیتی ہے کہ اس کے مبادی کا تعلق بانی اسلام سے نہیں بلکہ اُن مخالفین سے تھا اگر اس موقع پر کسی قسم کی سستی سے کام لیا جاتا تو اسلام اپنے آگے بڑھنے کے مواقع یکسر کھو دیتا اور دنیا کو دعوتِ اسلامی سے جو عظیم منافع و فوائد حاصل ہونے والے تھے ان سے وہ محروم ہوجاتی بدر کے

بعد سب سے بڑی دوسری جنگ ۳ ہجری میں احد کی درپیش ہوئی جس کے اسباب وعلل کا استقراء ہمیں اس نتیجہ تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے کہ اس لڑائی سے بانی اسلام کا کوئی دور کا تعلق بھی نہیں تھا اور اس کے ذمہ دار تمام تر مشرکین مکہ ہیں جنھوں نے غزوہ بدر سویق اور سریہ قردہ میں جو کچھ ہو چکا تھا اس کا اس جنگ کے ذریعہ سے انتقام لینا چاہا تھا، عمر ابن عاص کا قبائل عرب کو جمع کرنا ہندہ کے گروہ کا پندرہ اونٹوں پر سوار ہوکر قبائل عرب میں گشت لگانا اور مقتولین بدر پر گریہ زاری کرکے لوگوں میں جوش انتقام کا پیدا کرنے کے لئے یہ تمام واقعات کافی ہیں کہ یہ جنگ پیغمبر اسلام پر زبردستی لادی گئی تھی اور انھوں نے جو کچھ کیا وہ صرف دفاع کی حیثیت سے تھا۔

صرف بدر واحد ہی نہیں اسلام کے بقیہ تمام غزوات کی صورتحال بھی یہی تھی کہ بانی اسلام کو دفاعی طور پر میدان جنگ میں آنے کے لئے مجبور کردیا گیا تھا ورنہ خود ان کا مقصد تلوار سے کام لینا نہیں تھا۔ وہ جانتے تھے کہ تلواروں کی دھاریں گردنوں کو جھکا سکتی ہیں لیکن دلوں پر قبضہ نہیں کرسکتیں۔